ڈاکٹر طٰہٰ حسین

گوہرِ مُراد

حرب بن اُمیہ نے عبداللہ بن جدعان سے کہا۔

"تمہارا یہ رومی غلام بڑا ذہین اور ہوشیار ہے۔ ایسی تجارتی سوجھ بوجھ رکھتا ہے اور اپنی پونجی کو ترقی دینے میں ایسا کمال رکھتا ہے کہ میں نے تو ایسا آدمی نہیں دیکھا ہے"

"بات تو تم ٹھیک کہتے ہو مگر میں اب تک یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ بقول خود عربی النسل ہے جسے رومیوں نے فارس پر چڑھائی کرتے ہوئے بچپنے میں گرفتار کر لیا تھا۔ جبکہ انھوں نے اہل فارس کے ساتھ مل کر روم پر غارتگری کی جیسا کہ نبی کلب نے پچھلے سفر شام میں میرے ہاتھ اسے فروخت کرتے وقت بیان کیا تھا"

"اس کے رنگ میں ایک ایسی سرخی ہے جو عربوں میں نہیں ہوتی نیز اس کا لب و لہجہ بھی کسی قدر رومی انداز کا ہے۔ میں شام کے اکثر لوگوں سے یہ لب و لہجہ سنتا رہا ہوں۔ بہرکیف اس سے کوئی بحث نہیں کہ یہ رومی ہے یا عربی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ میں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جس میں ایسی ذہانت، ایسا ہوش گوش، ایسی تجارتی سوجھ بوجھ اور اپنی پونجی کو بڑھانے کی ایسی صلاحیت موجود ہو۔ میں نے تو یمن کے سفر کے وقت اور پھر حبشہ کے بحری سفر کے موقع پر بھی ایسا محسوس کیا جیسے یہ آدمی جن ہے جو منافع کے مواقع اور کاروبار کی منڈیوں کی بو سونگھ لیتا ہے اور سونگھ آنے صحیح بتا دیتا ہے کہ اگر ہم فلاں طرف جائیں یا فلاں بستی میں ٹھہریں تو بے نظیر خرید، لاجواب فروخت ہوگی۔ میری تو سمجھ میں یہ نہ آسکا کہ نجاشی کے ملک میں اس نے منافع کی خوشبو کس طرح سونگھ لی۔ وہ سیدھا ایسے آدمیوں کے پاس گیا۔ جو ہماری زبان اچھی طرح نہیں بول سکتے بلکہ آپس میں معاملہ کی بات رومی زبان میں کرتے تھے، وہاں جا کر ان سے اتنا مال خرید لیا کہ نہ اسے خریدنے کی ہم ہمت کر سکتے تھے اور نہ اسے اٹھانے کی ہم میں سکت تھی۔ پھر اس نے ایسی تدبیر کی، کہ وہاں سے ہم سب لوگوں کو ریگستان میں تیرنے والے اونٹوں کی بجائے سمندر میں تیرنے والی کشتیوں پر مکے لے آیا۔ اور عجیب و غریب کمال تو یہ کیا کہ ان تاجروں کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو آسانی سے یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے کچھ آدمی ساتھ ہی کشتیوں میں بھیج دیں۔ تاکہ ہمارے ملک میں پہنچنے کے بعد جس جس

مال کی ضرورت محسوس کریں اسے خرید کر کشتیوں کو بھر لیں۔ تاکہ وہاں سے کشتیاں خالی نہ واپس ہوں۔ اس طرح اس نے ہمیں تجارت کے ایک ہی موسم میں دو بلکہ زیادہ سفر کرنے سے بچا لیا۔ میں نے کسی غلام میں کوئی خاص قابل تعریف ذہانت تو دیکھی نہیں تھی، اس لئے میں اس غلام کو خریدتے وقت بھی کچھ زیادہ خوش نہ تھا مگر اس میں تو ہمیشہ خیر و برکت دیکھی۔"

اسی روز شام کو عبداللہ بن جدعان اپنے اس غلام سے جو یا تو رومی تھا جسے عربوں نے قیدی بنا لیا تھا یا عربی تھا جسے رومیوں نے گرفتار کیا تھا تنہائی میں گفتگو کرتے ہوئے بولا۔

"صہیب! اب کے تم یمن اور حبشہ کے سفر میں بڑی عمدگی کے ساتھ تمام آزمائشوں کے دور سے نکلے۔ اگر حرب بن امیہ تمہاری تعریف نہ بھی کرتا تو یہ کثیر منافع جو تم میرے پاس لے کر آئے ہو وہی تمہاری تعریف کے لئے کافی تھا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں پہلے سے کوئی تجارتی تجربہ حاصل تھا؟"

"توبہ کیجئے۔ میں نے تو اس سفر سے پہلے آج تک کبھی کوئی خرید و فروخت کا کام ہی نہیں کیا۔ بس زیادہ سے زیادہ ضروریاتِ زندگی کی وہ عام چیزیں خریدتا رہا ہوں جو ہر روز لوگ خریدا کرتے ہیں۔"

"پھر تو یہ تمہاری فطری صلاحیت ہی ہو سکتی ہے۔"

"ممکن ہے۔"

عبداللہ بن جدعان دیر تک سر جھکائے کچھ سوچتا رہا اور صہیب نے وہاں سے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کے مالک نے اشارہ سے اسے ٹھہرا لیا۔ وہ دیر تک کھڑا انتظار کرتا رہا کہ اس کا مالک اپنا چہرہ اس کی طرف اٹھا کر اس سے کوئی بات کرے۔ مگر وہ بدستور سر جھکائے رہا یہاں تک کہ یہ غلام اکتا گیا، یا اکتانے لگا تھا کہ عبداللہ بن جدعان نے اپنا سر اٹھایا غلام کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اور بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"صہیب کیا تم اس غلامی سے کبیدہ خاطر ہو؟"

"کون ہے جو غلامی سے نالاں اور آزادی کا خواہاں نہ ہو؟"

"تو میں چاہتا ہوں کہ تمہاری آزادی تمہیں واپس کر کے تمہیں خود مختار بنا دوں۔ مگر ایک خطرناک آزمائش میں ڈالنے کے بعد۔"

"تو پھر یہ آزادی جو آپ مجھے عطا فرمانا چاہتے ہیں اپنے پاس ہی رکھیں۔ کیونکہ آزادی خرید و فروخت کی چیز ہی نہیں۔"

"ارے صہیب! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے تمہیں بنی کلب سے خریدا ہے اور انھوں نے تمہیں

رومیوں یا عربوں سے خریدا تھا؟"

"آپ نے یا بنی کلب نے مجھے خود مجھ سے تو نہیں خریدا یہ تو دشمنوں نے مجھ پر چھاپا مارا اور مجھے بنی کلب کے ہاتھ بیچ دیا پھر بنی کلب نے آپ کے ہاتھ فروخت کر دیا لیکن یہ میری منظوری یا پسند کے بغیر ہی ہوا۔ میری پسند اور میرے اختیار سے تو نہیں ہوا۔ آپ لوگ مجھے غلام سمجھتے ہیں لیکن میں تو اپنے آپ کو آزاد ہی سمجھتا ہوں۔ آپ لوگوں نے اپنی زبردستی، دولت اور اقتدار کے زور سے میرے جسم پر اپنا قبضہ تو قائم رکھا ہے لیکن میرے دل پر کسی کا کوئی قابو نہیں۔"

"تو یہ غلام لوگ جو رقموں یا خدمتوں کے ذریعے لکھا پڑھی کر کے اپنی آزادی خریدتے ہیں، اس کا کوئی مطلب ہی نہیں؟"

"وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کو تو وہی جانیں مگر میں کسی مکاتبت کے لئے بالکل تیار نہیں اور نہ کبھی کسی رقم یا خدمت کے عوض اپنی آزادی خریدوں گا۔ میں اپنے آپ کو ہمیشہ آزاد ہی تصور کرتا ہوں۔"

"سچ کہا تھا حرب بن امیہ نے کہ تم بڑے ذہین اور باہمت آدمی ہو۔ تاہم میں چاہتا ہوں کہ....."

"آپ یہ چاہتے ہیں کہ مجھے امتحان میں ڈالیں کیونکہ آپ کو مجھ پر جو تسلط حاصل ہے اس کی وجہ سے آپ یہ جائز سمجھتے ہیں کہ جس طرح کی مشقت میں بھی آپ چاہیں مجھے ڈال دیں۔ اچھا تو یہی سہی۔ آپ مجھے جو کچھ فرمانا چاہیں فرما دیجئے۔ آپ مجھے اپنی تمنا کے مطابق ہی پائیں گے۔ لیکن مہربانی فرما کر مجھ سے وعدے وعید نہ کیجئے اس لئے کہ مجھے کسی چیز سے اتنی نفرت نہیں جتنی جھوٹی آزادی اور غلط وعدوں سے۔"

"عبداللہ بن جدعان نے اپنے جملہ کو پورا کرنے کے لئے پھر آغازِ گفتگو کا ارادہ کیا لیکن صہیب اس کا موقع دینے سے پہلے ہی جھٹ بول اٹھا:"

"کیا میں خود آپ کے اس بوجھ کو ہلکا کر دوں جو آپ کے لئے پریشان کن بنا ہوا ہے؟ اگر آپ کہیں تو واضح لفظوں میں وہ بات میں ہی عرض کر دوں جو آپ کے دل میں موجود ہے مگر زبان پر نہیں آ رہی ہے۔"

"ارے تو کیا تم دلوں کا راز بھی جاننے لگے ہو؟"

"میں یمن اور حبشہ کے سفر میں بہت کامیاب رہا۔ اور آپ کو بہت سا منافع بھی لا کر دیا۔ لہٰذا اب آپ کی تمنا یہ ہے کہ آپ مجھے تجارت کیلئے شام اور روم کی طرف بھی روانہ کریں۔ آپ کا خیال ہے کہ جتنا منافع میں نے اس سرمائی سفر میں حاصل کیا ہے اس سے زیادہ اس سفر شام و روم میں حاصل کروں گا۔ آپ کو اپنی تجارت اور منافع کے متعلق مجھ پر پورا اطمینان ہے کہ کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ لیکن آپ کو خود میری ذات یا میرے دل کے متعلق اطمینان نہیں۔ آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میں روم میں آزاد پیدا ہوا اور آزاد رہا اور یہ ممکن ہے

کہ جب میں اس سرزمین میں پہنچوں تو وہیں رہ جاؤں اور آپ کے پاس واپس نہ آؤں۔ بلکہ شاید آپ کا مال اور منافع کی امانت بھی روک لوں۔"

"تمہاری گفتگو کا یہ آخری حصہ صحیح نہیں۔ مال و منافع کے متعلق تم میری نظروں میں امانت دار ہی ہو۔"

"کیا آپ مجھے اپنے مال کا ایک حصہ نہیں سمجھتے؟ پھر مجھ پر خود میری ذات کے بارے میں بھی اسی طرح کیوں بھروسہ نہیں کرتے جس طرح میرے سپرد کئے جانے والے مال پر کرتے ہیں۔ بس اپنے دل کو اس طرح مطمئن کر کے روما میں تجارت کرنے کی تیاری شروع کر دیجئے۔ میں آپ سے رخصت ہو کر جاؤں گا اور اتنا کچھ مال اور منافع لے کر دوں گا جو آپ نے پہلے نہ دیکھا ہوگا۔ اہل روم کس چیز کو پسند اور کس چیز کو ناپسند کرتے ہیں اسے میں سب سے بہتر سمجھتا ہوں۔ یہ یاد رکھئے کہ نہ تو روم میں میرا کوئی گوہر مقصود ہے نہ وہاں رہنے میں میری کوئی دلچسپی ہے۔ مجھے اپنے بچپنے کے آخری اور جوانی کے ابتدائی زمانے سے یہ یقین ہے کہ روم میں میرا کوئی گھر نہ ہوگا۔ مجھے اس زمانے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ کی اس بستی رمکے) میں میرا گوہر مراد ہے۔ معلوم نہیں کونسا گوہر مراد۔ یہ بات نہ ہوتی تو نہ میں آپ کے ساتھ رہتا اور نہ کبھی آپ کی آقائی کو تسلیم کرتا۔ مجھ جیسے آدمی کے لئے آپ لوگوں کو چھوڑ کر کہیں اور چل دینا معمولی بات تھی۔ آپ لوگ نہ نگراں ہیں نہ پولیس۔ اگر میں چاہتا تو آپ سب کو فریب دیکر اس حرم سے صاف نکل جاتا۔ اور آپ لوگ اپنے امکان بھر ڈھونڈنے کے باوجود مجھے ہرگز نہ پا سکتے۔ اور اگر پا بھی لیتے تو مجھ پر قابو تو کبھی نہ پا سکتے۔"

ہماری اس بستی میں تمہارا وہ نامعلوم گوہر مقصود کیا ہے؟ ذرا ہم بھی تو سنیں۔"

"اس کا علم مجھے ہوتا تو میں ضرور بتا دیتا۔ لیکن بچپنے کے اختتام اور جوانی کے آغاز کے دنوں میں صرف اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ میری زندگی اور موت تمہاری اس سرزمین پر ہوگی۔ آپ کے اس حرم میں ایک حصہ بسر کروں گا اس کے بعد بقیہ زندگی ایک دوسرے حرم میں گذاروں گا اور میری موت اور میری قبر حجاز میں ہوگی۔"

"ارے صہیب! تم تو آج کچھ عجیب انوکھی سی باتیں کر رہے ہو۔ مجھے تو یہ علم نہیں کہ سرزمین عرب میں اس حرم کے سوا دوسرا اور کونسا حرم ہے۔"

"یہ تو مجھے بھی علم نہیں کہ عرب میں اس حرم کے سوا کوئی اور حرم بھی ہے لیکن میں تو صرف وہ کچھ بیان کر رہا ہوں جس کی مجھے اس وقت خبر دی گئی تھی۔ جب کہ میرے بچپنے کا زمانہ ختم ہو کر جوانی شروع ہونے والی تھی۔ یہ بات میں نے ایک قسیس (راہب یا کاہن) سے روما میں سنی ہے۔ میں نے اس پر پوری طرح غور نہیں کیا۔ اور نہ کوئی خاص توجہ کی ہے لیکن میں نے جب ایک دن اپنے آپ کو بنی کلب کے ہاتھوں فروخت ہوتے ہوئے پایا تو ان مالکوں کو آپس میں بولتے سنا کہ جب قریشی ساکنان حرم کے قافلے ادھر آئیں گے تو ان کے ہاتھ اچھے داموں پر اسے فروخت کر دیں گے

جائے گا۔ میں اس وقت اگر نبی کلب کے قبضے سے نکل بھاگنا چاہتا تو میرے لئے اس میں کوئی دشواری نہ تھی لیکن میں نے یہ سوچا کہ اس قسیس نے جو باتیں کہی ہیں ان کی صداقت کا امتحان ہی کر لیا جائے۔ اب تک تو اس کی تمام باتیں سچی ثابت ہوئی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اس کی بقیہ باتیں بھی آخیر تک سچی ہی نکلیں گی۔ بہرکیف آپ مجھے تجارت کے لئے جہاں کہیں بھیجنا چاہتے ہوں بشوق بھیجئے۔ میں بہرحال آپ کا خیر خواہ بھی رہوں گا اور لوٹ کر آ بھی جاؤں گا اور اگر آپ مجھے آزاد کرنا چاہتے ہوں تو ابھی اور اسی وقت آزاد کر دیجئے۔ مجھے تو آپ کی سرزمین میں رہنا ہے اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ آپ مجھے صبح ہوتے ہی یہاں سے باہر نکال کر دیکھ لیجئے میں شام تک پھر لوٹ آؤں گا۔ اور اس وقت تک یہیں رہوں گا جب تک ہونے والی بات یقینی طور پر ہو کر نہ رہے۔"

"اس طرح زندگی کی بازی لگانے والا تو میں نے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے۔"

"یونہی سہی۔"

"اچھا تو تم میرے ساتھ مسجد (بیت الحرام) تک چلو تاکہ میں قریش گواہ بنا کر ابھی تمہیں آزاد کر دوں۔"

"آپ کا خود اپنے آپ کو اور مجھے گواہ بنا لینا کافی ہے۔ اپنی آزادی کے لئے مجھے اور کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں۔"

صبح ہو گئی تو عبداللہ بن جدعان قریش کے حلقوں میں گیا اور ان کو بتایا کہ اپنے رومی غلام صہیب کو آزاد کر کے اپنا حلیف بنا لیا۔ اور اپنی تمام دولت کا امین بھی بنا دیا ہے اور اس تجارت کا بھی جو سردی و گرمی کے سفروں میں ساتھ جائے گا۔ قریش نے یہ سن کر کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا۔ کیونکہ یہ نوجوان اپنے آقا کی تجارت کے فروغ میں جس عمدگی سے محنت کرتا رہا تھا اس کا تذکرہ حرب بن امیہ قریش سے کر چکا تھا۔

صہیب نے اپنی جوانی کا بہترین حصہ عبداللہ بن جدعان کی تجارت کو فروغ دینے میں گذار دیا۔ صہیب اس کی دولت کو ترقی دیتے رہے اور تجارت کو پھیلاتے رہے۔ وہ مال تجارت لے کر کبھی نجاشی کے ملک میں جاتے۔ کبھی قیصر کی مملکت میں اور کبھی کسریٰ کی سلطنت میں۔ آخر کار عبداللہ بن جدعان تمام قریش میں سب سے بڑا مالدار ہو گیا اور جود و سخا میں بھی سب سے آگے بڑھ گیا۔ حتیٰ کہ شعراء بھی بڑی رقموں کے عوض اپنے مدحیہ اشعار اس کے ہاتھ فروخت کرنے لگے۔ عبداللہ بن جدعان جب لوگوں سے تعریفی کلمات سن کر خوش ہوتا تو صہیب سے کہتا۔

"ان تمام تعریفوں کے آدھے حصے کا حق تمہیں پہنچتا ہے۔ کیونکہ اس کے وسائل و اسباب میرے لئے تم ہی نے مہیا کئے ہیں۔"

عبداللہ بن جدعان کبھی کبھی صہیب سے دریافت کرتا۔

"اس زمین میں تمہارا گوہرِ مراد کیا ہمیشہ باقی رہے گا یا آخر وہ کیا ہے؟"

"خدا جانے کیا"

"صہیب! کیا وہ گوہرِ مراد اب تک تم پر بے نقاب نہیں ہوا؟"

"ہو جاتا تو میں آپ سے پوشیدہ نہ رکھتا"

ایک دن موت نے عبداللہ بن جدعان کو آلیا اور صہیب اب بالکل آزاد تھے۔ ان کے پاس بہت مال تھا۔ ان کے لئے کوئی دشواری حائل نہ تھی۔ اگر وہ چاہتے تو روم چلے جاتے، جہاں انھوں نے نشو و پائی تھی یا کسریٰ کی مملکت کے عراقی حصے میں منتقل ہو جاتے جہاں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ مکے ہی میں جمے رہے۔ وہاں سے کھسکنے کا نام بھی نہ لیا۔ وہیں اپنی دولت کو ترقی دیتے رہے لیکن اعتدال کے ساتھ۔ تجارت میں انہماک پیدا کیا اور نہ کہیں دور دراز جگہوں میں گئے۔ یہ عبداللہ بن جدعان کی روش کو زندہ رکھتے ہوئے بھوگوں کو کھانا کھلاتے۔ غریبوں کی مالی امداد کرتے اور محتاجوں کی حاجت روائی کرتے قریش اس سے مطمئن تھے۔ اور ان پر بھروسہ کرتے تھے، اور ان کی اس خاص آرزو سے جس کی وضاحت سے وہ خود ہی ناواقف تھے دلچسپی لیتے تھے۔

ایک دن صبح صہیب نے قریش کے حلقوں میں دار ارقم کے متعلق اور کچھ ان لوگوں کے متعلق جو وہاں محمد بن عبداللہ کے گرد جمع ہوتے تھے، کچھ باتیں کرتے سنا اور پھر یہ بھی سنا کہ وہاں "قرآن" پڑھا جاتا ہے۔ اور خاص خاص گفتگوئیں ہوتی ہیں۔ صہیب کے دل میں ایک گدگدی سی پیدا ہوئی کہ کہیں یہی وہ گوہرِ مقصود نہ ہو، جس کا تصور اختتام طفلی اور عنفوانِ شباب سے شروع ہو کر اختتام شباب اور آغاز کہولت تک ان کے دم کے ساتھ رہا ہے۔ اور اب ان سے آہستہ آہستہ قریب ہوتا جا رہا ہے ان کا دل دار ارقم کی طرف جانے کے معاملے میں ان سے بار بار الجھتا۔ وہ اسے روکتے بازرکھتے۔ اور ان کے اور رؤسائے قریش کے درمیان جو تعلقاتِ محبت باقی تھے ان کی وجہ سے وہ ادھر جانے سے ہچکچاتے۔ لیکن دار ارقم کی طرف ان کی لپک روز بروز تیز تر ہوتی گئی۔ دن کو جاگتے میں اور رات کو سوتے میں ہر وقت یہ شوق ان پر طاری رہتا۔ آخر ایک دن ان کے دل نے یہ "ناخوشگوار" اقدام کر ہی لیا۔ گھر سے مسجد کا ارادہ کر کے نکلے اور اپنی دھن میں چلتے چلتے مسجد پہنچنے کی بجائے انہوں نے اپنے آپ کو عین دار ارقم کے سامنے پایا اور سامنے ہی ذرا فاصلے پر عمار بن یاسر کو دیکھا پھر دونوں کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں اس کے بعد دونوں اندر داخل ہوئے اور پھر داخل اسلام ہو گئے۔ جب شام ہوئی تو سب چپکے سے نکلے۔

قریش نے اس دن صہیب کو کہیں نہ پایا۔ دوسرے دن بھی وہ غائب ہی رہے تو ابوجہل ان کی تلاش میں نکلا۔ پھر ایک دن وہ غصے میں بھرا ہوا آیا۔ قریش نے دیکھا تو ایک نے کہا کہ آج تو ابوالحکم (ابوجہل) کا جلال اپنے اوج پر معلوم ہوتا ہے۔ ابوجہل اپنی قوم کے حلقے میں آکر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنی کمان پر ٹیک لگا کر غضب آلود اور غضب آلود لہجے میں بولا۔

"اے معشرِ قریش! سنتے ہو آج صہیب بھی صابی ہو گیا۔ اب اسے بھی خاندان یاسر کی طرح سزا دینا پڑے گا۔" (مترجمہ محمد جعفر)